© rasailojaraid.com

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی ؒ کے تفردات

حافظ شفیق احمد
ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی

ABSTRACT:

Moulana Muhammad Jafar Shah Phulwarvi was born in 1902 in phulwari, one of the districts of Patna (India). He belonged to an educated family and his father. Moulana Shah Muhammad Sulaiman phulwarvi was very famous in united India due to his love, affection and devotion for the descendents of the Holy Prophet peace be upon him. Moulana Jafar Shah Phulwarvi was not only a graduate from "Nadwat ul Ulama" but also a spiritual teacher, who got permission (Ijaza) from sixteen different chains of great Sufi saints.

Moulana Jafar wrote around 40 books and 200 research articles which all contain his research on different religious topics.His style was unique and different from traditional scholars in understanding Quran and hadith.Thats why his opinions are not generally accepted by common religious scholars. However, he demanded Muslim scholars to adopt a different route and also think about lot of religious issues in this way.

This article contains some of selected religious issues in

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

which Moulana Jafar has differed,on the basis of arguments from Quran and Hadith, from traditional scholars.It also contains the possible answers to the unique opinions of Moulana Jafar,in the light of Quran and Hadith. The article includes Moulana Jafar's opinion about music in Islam, punishment of stonneing to death (Rajm), divorce, revelation of the Holy Quran, the Night of Power (Qadr) etc.

مختصر تعارف

مولانا جعفر شاہ پھلواروی ۱۹۰۹ء میں پھلواری ضلع پٹنہ (بھارت) میں ایک معروف علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی اپنے علم و طریقت اور اہل بیت سے محبت و عقیدت کے اعتبار سے تمام متحدہ ہندوستان میں خاصی شہرت رکھتے تھے اور سنی شیعہ ہر فرقہ کے افراد ان کے گرویدہ تھے اور بقول سید سلیمان ندوی یہ جس مجمع میں ہوتے تھے ان کے سوا ہر آواز ماند پڑ جاتی تھی۔(۱)

مولانا جعفر شاہ پھلواروی ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل عالم ہی نہیں تھے بلکہ ان بزرگوں میں سے تھے جنہیں چند مسلّم بزرگان طریقت کی روحانی خلافت ایک ہی واسطے سے حاصل تھی ان بزرگوں میں شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، شاہ عبدالرزاق فرنگی محلی، شاہ علی حبیب نصر پھلواروی، شاہ قدرت اللہ ڈیرہ اسماعیل خان، شیخ محمد صالح بن عبداللہ محدث مکی، سید عبداللہ البخاری یمنی کے علاوہ اور بہت سے شیوخ طریقت تھے جن کی اجازت و خلافت صرف ایک واسطے سے انہیں حاصل تھی۔ ممدوح سولہ سلاسل طریقت کے (مع ان کی شاخوں کے) کے مجاز ہیں، آپ کی تصانیف تقریباً چالیس اور سب مجتہدانہ انداز کی ہیں، ان کے علاوہ تقریباً دو مقالات (جن میں سے چند عربی میں) شائع ہوئے ہیں۔(۲)

آپ کی چند مشہور تصانیف درج ذیل ہیں

۱۔ پیغمبر انسانیت	۲۔ مجمع البحرین	۳۔ اجتہادی مسائل
۴۔ اسلام اور موسیقی	۵۔ قرآنی قانون طلاق	۶۔ مقام سنت
۷۔ رفقائے نبی ﷺ	۸۔ گلستان حدیث	۹۔ مسئلہ تعدد ازواج
۱۰۔ اسلام اور فطرت	۱۱۔ کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت	

مولانا جعفر شاہ پھلواروی کا وصال ۳۱ مارچ ۱۹۸۲ء کو کراچی میں ہوا۔

مولانا جعفر شاہ پھلواروی صاحب نے بہت سے مسائل و معاملات میں دیگر روایتی علماء سے اختلاف کیا ہے۔ اور ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفردات ایک بڑی تعداد میں موجود ہیں جس کا اندازہ ان کی چالیس تصنیفات اور دوسو کے قریب مقالات سے ہوتا ہے جو تمام مجتہدانہ انداز میں تحریر کئے گئے۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی کے تمام تفردات کا احاطہ انتہائی مشکل کام ہے جس کی ایک وجہ تو ان کی تحریر کردہ تمام کتب کی عدم دستیابی ہے اور دوسری وجہ اس مقالہ کے صفحات کا محدود ہونا ہے۔

مولانا جعفر شاہ پھلواروی نے ویسے تو بہت سے موضوعات پر کتابیں اور مقالات تحریر کئے ان میں سے چند ایک منتخب موضوعات اس مقالہ میں زیر بحث لائے گئے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔اسلام اور موسیقی ۲۔سزائے رجم ۳۔طلاق ثلاثہ ۴۔ایصال ثواب ۵۔حدیث کیف بدأ الوحی

۶۔نزول قرآن ۷۔لیلۃ القدر ۸۔ناسخ منسوخ

اسلام اور موسیقی

مولانا جعفر شاہ پھلواری صاحب نے اپنی کتاب اسلام اور موسیقی میں جو موقف بیان کیا ہے اس کے مطابق محدثین سماع کو جائز کہتے ہیں۔ چند محدثین مزامیر کو بھی عام طور پر جائز کہتے ہیں۔ دوسرا مسلک صوفیاء کا ہے جو جواز کے قائل ہیں جبکہ تیسرا مسلک فقہاء کا ہے جو سماع غناء اور مزامیر کو مطلق حرام کہتے ہیں۔ مولانا پھلواری کے مطابق جن احادیث سے فقہاء حرمت کو ثابت کرتے ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا موضوع۔(۳) خود مصنف کا موقف غناء و مزامیر کے مباح ہونے کا ہے۔

مزید یہ کہ مولانا جعفر پھلواری کے مطابق مندرجہ ذیل چیزیں آلات موسیقی کے ساتھ گائی جاسکتی ہیں احادیث جو ترنم کا مطالبہ کرتی ہوں، حمدیہ اور نعتیہ اشعار، رجزیہ نظمیں، قومی ترانے، حدی خوانی، اشعار جو سوز و گداز اور رقیق القلبی پیدا کریں، وہ گانے جو غم غلط کرنے یا دل بہلانے، یا توجہ ہٹانے یا کثرت کار کے بعد آرام لینے کے لئے گائے جائیں اور مریضوں کو تندرست کرنے کیلئے جو گانے گائے جائیں۔(۴)

سزائے رجم

جعفر شاہ پھلواروی صاحب لکھتے ہیں:

سزاؤں کا مقصد صرف سزا یا جرم کی تلافی نہیں بلکہ سوسائٹی سے اس جرم کا خاتمہ کرنا ہے۔ بعض اوقات صرف کوڑوں کی سزا بھی بہت زیادہ اور کسی وقت سنگساری بھی معمولی تعزیر ہو سکتی ہے۔ پس اس حالات میں ہمیں قرآن کریم کی سزائے جلد اور احادیث کی سزائے رجم میں کوئی تناقض نظر نہیں آتا۔ یہ حکم بھی کتاب اللہ کا ہے اور وہ حکم بھی کتاب اللہ (بائبل) ہی کا تھا باقی رہا اس رجم کی تائید کیلئے یہ کہنا کہ قرآن کی ایک آیت ہے جو منسوخ التلاوۃ تو ہوگئی مگر منسوخ الحکم نہیں ہوئی بالکل لغو اور بے معنی سی بات ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ اس سے قرآن پاک کی محفوظیت کا دعوی بے معنی ہو جاتا ہے۔ ذرا یہ بھی دیکھئے کہ: (الشیخ و الشیخۃ اذا زنیا فارجموھما الخ) کی زبان ذرہ برابر بھی قرآنی زبان معلوم ہوتی ہے؟ علاوہ ازیں دنیا کے کسی عربی لغت میں شیخ اور شیخہ کے معنی محصن اور محصنہ کے لکھے ہیں جو لوگوں نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ محصن و محصنہ (شادی شدہ) کیلئے سزائے رجم ہے اور کنوارے اور کنواری کیلئے سزائے جلد؟ اور ایسی باتوں کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرنا تو اور بھی مضحکہ خیز ہو جاتا ہے۔ کجا یہ تشدد کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث بیان کرنے والا یا تو وہ گواہ لائے یا درے کھانے کے لئے تیار ہو جائے اور کہا یہ قول کہ بخدا آیت رجم کتاب اللہ میں موجود تھی۔ اور اگر لوگوں کے یہ کہنے کا خوف نہ ہوتا کہ عمرؓ نے قرآن میں اضافہ کر دیا ہے تو میں آیت رجم کو ضرور قرآن میں داخل کر دیتا (ترمذی و مالک)۔ کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ صرف کتاب اللہ کہنے والے حضرت عمر صحت حدیث میں تو اتنے متشدد ہوں اور حفاظت قرآن کی معاملہ آئے تو اتنے ڈھیلے ثابت ہوں؟ اور اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ابوداود کی روایت کے مطابق ابن عباس کے نزدیک واللذان یاتیانھا والی آیت جو قرآن میں موجود ہے وہ تو آیت جلد سے منسوخ ہو گیا اور جو آیت رجم سرے سے کہیں قرآن میں موجود ہی نہیں وہ آیت جلد کے ہوتے ہوئے بھی منسوخ نہیں۔ پس الگ سا پڑھنا تو ممنوع ہے اور حکم علی حالہ قائم ہے یہ کس قدر بے جوڑ سی بات ہے۔

سیدھی سی بات ہماری سمجھ میں یہی آتی ہے کہ زنا کی اصلی سزا (حد) جلد ہے جو قرآن نے بتائی ہے لیکن قاضی جرم کی سنگینی کی نوعیت کے پیش نظر تعزیراً رجم یا کوئی اور طریقہ قتل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ ہمارے اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو رزین نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ:

من وقع علی ذات محرم او قال من نکح ذات محرم فاقتلوہ.

جو کسی محرم سے نکاح کرے یا بلا نکاح مواصلت کرے اسے قتل کر دو۔

چنانچہ براء سے اصحاب سنن نے روایت کی ہے، کہ ایک شخص کو جس نے اپنے باپ کی زوجہ سے نکاح کر لیا تھا، حضورﷺ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ ایسا زانی یقیناً صرف جلد کا مستحق نہیں بلکہ سزا اور قتل ہے اور قتل ہی کا ایک طریقہ رجم بھی ہے یہ سب کچھ جرم کی نوعیت پر موقوف ہے۔ غرض تو ایسی عبرتناک سزا دینی ہے، جو اس جرات جرم کو ختم کر دے۔(۵)

طلاق ثلاثہ

مولانا جعفر شاہ پھلواروی صاحب بیک وقت تین طلاقوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

اب تک سیدنا عمرؓ کے متعلق یہی سمجھا جاتا رہا ہے کہ آپ نے تین طلاق بیک مجلس کو مغلظ قرار دیا ہے جس کے بعد نہ رجوع ممکن ہے نہ تجدید نکاح ہو سکتی ہے۔ یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ عہد نبویﷺ میں، عہد صدیقیؓ میں اور دو سال عہد فاروقیؓ میں ایسی طلاق (جو دفعۃً تین بار دے دی جائے) طلاق رجعی ہی تھی۔ یہ بھی مسلم ہے کہ حضورﷺ نے اسے رجعی قرار دینے کے باوجود سخت ناپسند بھی فرمایا ہے۔ نسائی کی روایت (محمود بن لبید سے) ہے کہ:

ایک شخص نے عہد نبویﷺ میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دفعۃً دے دیں تو حضورﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ کتاب اللہ کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے درآں حالیکہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔

اس روایت پر خوب غور کیجئے کہ صاف ظاہر ہے کہ تین طلاقیں دفعۃً دے دینا بالکل خلاف قرآن ہے بلکہ قرآن کے ساتھ مذاق کرنا ہے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے کے عدت گزر جانے دی جائے جسے طلاق احسن کہتے ہیں اور اگر مغلظہ ہی کرنا ہے تو ہر طہر بلا وطی میں ایک ایک طلاق دی جائے۔ اسی کو طلاق سنی یا حسن کہتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ حضورﷺ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طلاق احسن یا طلاق سنی ہی کو رائج فرمانا چاہتے تھے لیکن پختہ عادات دیر میں چھوٹتی ہیں اس لئے جب بھی کسی نے ایسی غلطی کی تو حضور ﷺ نے اسے رجعی قرار دیا۔ چنانچہ رکانہ بن عبد یزید کے متعلق مسند احمد اور مسند ابی یعلی میں یوں روایت ہے:

رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو بیک نشست تین طلاقیں دیدی لیکن انہیں اس پر بڑا ہی رنج ہوا۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کس طرح طلاق دی ہے۔ بولے تین طلاقیں۔ پوچھا کہ بیک نشست؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا کہ پھر تو یہ ایک ہی (یعنی رجعی) ہوئی لہذا اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔

غرض عہد نبوی ﷺ اور دور صدیقیؓ تک بلکہ دور فاروقیؓ میں بھی دو سال تک یہی اصول جاری رہا کہ طلاق سہ گانہ بیک مجلس طلاق رجعی سمجھی جاتی تھی لیکن حضرت عمرؓ کی طبعی خواہش یہی تھی کہ کتاب اللہ کے ساتھ یہ مذاق چھڑوا کر وہی طریقہ رائج کیا جائے جو مطابق قرآن ہے اور جسے طلاق سنی کہتے ہیں۔ آپ نے اس مقصد کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ ایسی طلاق کے متعلق یہ اعلان فرما دیا کہ:

اب ایسی طلاق مغلظہ ہوگی اور بغیر حلالہ کے بیوی نہیں ہو سکے گی۔ (رواہ ابونعیم، بیہقی، ابونعیم و مالک)

اس دشواری کا علاج لوگوں نے یہ نکالا کہ اپنی مطلقہ بیوی کا نکاح کسی سکھائے پڑھائے آدمی سے کروا کے اس سے طلاق لے لی تاکہ وہ پھر طلاق دینے والے کی بیوی بن جائے۔ یہ وہ مکروہ طریقہ تھا جس پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی تھی جیسا کہ ابن مسعود سے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے:

حضور ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے دونوں کو ملعون قرار دیا ہے۔

اب حضرت عمرؓ نے اس کا علاج یوں کیا کہ اعلان فرما دیا کہ:

میں حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں کو سنگساری کی سزا دوں گا۔

امت عہد نبوی ﷺ اور دور صدیقیؓ کے فیصلے کو عارضی اور دور فاروقیؓ کے فیصلے کو دائمی سمجھ کر ایسی طلاق کو مغلظہ تو قرار دے دیا لیکن حلالے کی لعنت کو دور کرنا اس کے بس کی بات نہ رہی۔ عام طور پر یہ غور نہ کیا گیا کہ عہد نبوی ﷺ اور دور صدیقیؓ کا فیصلہ اگر دور فاروقیؓ میں کسی مصلحت سے بدل سکتا ہے تو دور فاروقیؓ کا فیصلہ بھی کسی دوسرے دور میں اسی وزن کی دوسری مصلحت سے بدل سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ کوئی دائمی فیصلہ نہ تھا یہ محض ایک تجربہ تھا ناکام تجربہ۔ اس پر قوی شہادت خود حضرت عمرؓ کا وہ اظہار ندامت ہے جو یوں منقول ہے:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے کسی بات پر ایسی شدید ندامت نہیں جیسی ان تین باتوں پر ہوئی ایک یہ ہے کہ میں نے طلاق کو حرام قرار کر دیا (یعنی طلاق سہ گانہ بیک مجلس کو مغلظہ قرار دے دیا) (اغاثۃ اللہفان لابن قیم ص ۱۸۱)

عموماً یہ کیا جاتا ہے کہ ائمہ اربعہ (ابوحنیفہؒ، و مالکؒ و شافعیؒ و احمد بن حنبلؒ) نے ایسی طلاق کو مغلظہ ہی تسلیم کیا ہے اور ان کے مقلدین آج تک اسے مغلظہ ہی مانتے چلے آئے ہیں۔ لیکن اول تو یہ دعوی ہی صحیح نہیں کیونکہ امام مالکؒ سے دونوں طرح پر روایتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں یعنی رجعی ہونے کی بھی اور مغلظہ ہونے کی بھی۔ دوسرے ان تمام ائمہ اربعہ کے مقلدین میں بھی (بلکہ صحابہؓ میں بھی) بہتر سے صاحبانِ بصیرت اسے رجعی ہی مانتے ہیں۔ علامہ ابن قیم اعلام الموقعین ج ۳ ص ۴۲ تا ۴۳ میں لکھتے ہیں:

ابن عباسؓ علی بن ابی طالب، اور ابن مسعودؓ سے دونوں طرح کی روایتیں یعنی بیک نشست تین طلاقیں رجعی یعنی ایک ہی ہیں اور یہ فتوی بھی منقول ہے کہ ایسی طلاق مغلظہ ہوگی۔ زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، عکرمہؓ، طاؤس، محمد بن اسحٰق، خلاس بن عمرو، حارث عکلی، داود بن علی اور ان کے زیادہ تر پیرو، بعض مالکی، بعض حنفی اور بعض حنبلی سب کا فتوی یہ ہے کہ ایسی طلاق ایک ہی یعنی رجعی ہوتی ہے۔(۲)

ایصالِ ثواب

مولانا جعفر شاہ پھلواروی صاحب لکھتے ہیں:

جہاں تک میں نے غور کیا ہے صحیح بات یوں ہے کہ وصولِ ثواب تو یقیناً ہوتا ہے۔ البتہ ایصالِ ثواب نہیں ہوتا۔ ان دونوں کا فرق اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ وصولِ ثواب کا مطلب یہ ہے کہ خواہ آپ ارادہ کریں نہ کریں، پہنچائیں نہ پہنچائیں، ثواب خود بخود پہنچ کر رہے گا۔ یہ وہاں ہوگا جہاں مرنے والا (اور زندہ بھی) کسی نیکی وبدی کا ذمہ دار اور سبب ہو۔ ایک شخص کسی کو صحیح نماز سکھا دے تو سیکھنے والا جب تک صحیح نماز ادا کرتا رہے گا اور وہ دوسروں کو اور پھر وہ آگے دوسروں کو سکھاتے رہیں گے ان سب کا ثواب پہلے سکھانے والے کو خود بخود ملتا رہے گا خواہ سکھانے والا اسے ثواب پہنچائیں یا نہ پہنچائیں۔ لیکن یہ وصولِ ثواب صرف نیک عمل کے ساتھ مخصوص نہیں گناہوں کے ثواب کا بھی یہی حال ہے۔

مگر ایصالِ ثواب (ثواب کا پہنچانا) ایک بالکل جداگانہ شے ہے۔ ایصال یہ ہے کہ مرنے والا (یا زندہ) تو کسی نیکی وبدی کا سبب ہرگز نہیں، اس کا سبب کوئی اور ہے اور وہ اپنا ثواب کسی اور کو منتقل کر رہا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ آپریشن تو ہو زید کا اور زخم اچھا ہو جائے عمرو کا، یا کھانا کھائے بکر اور پیٹ بھر جائے خالد کا۔ نیکی یا بدی جو بھی شخص کرے گا اس کا ثواب بھی اسی کرنے والے کو ملے گا کیونکہ اس فعل کا سبب وہ خود ہے۔

غرض وصولِ ثواب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی نیکی وبدی کا خود سبب ہو اور اسے خود بخود اس کا ثواب مل جائے اور ایصالِ ثواب یہ ہے کہ نیکی یا بدی تو کرے کوئی اور اس کا ثواب وہ منتقل کر دے کسی اور کی طرف۔ پہلی شکل (وصولِ ثواب) تو بالکل مطابق قرآن ہے لیکن دوسری شکل (ایصالِ ثواب) کا کوئی ثبوت قرآن سے نہیں ملتا۔

اگر کسی روایت سے ایصالِ ثواب کی تائید ہوتی ہو اس کی کوئی توجیہ و تاویل کر لینی چاہیے قرآنی تصریحات سے جس روایت کا ٹکراؤ ہوتا ہو اسے یا تو رد کر دینا چاہیے یا پھر اسے مئوول سمجھنا چاہیے، اکثر روایتوں کو دیکھنے کے بعد ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہی ہے کہ جہاں جہاں بھی ایصالِ ثواب کی شکل دکھائی دیتی ہے وہ در اصل وصولِ ثواب ہے یعنی مرنے والے کا کسب و عمل یا کم از کم نیت و وصیت ہے۔ مثلاً:

ایک شخص نے حضورﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک مر گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر اس میں تاب گویائی ہوتی تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرور صدقہ کیلئے کہہ جاتی اس صورت میں اگر میں اس کی طرف سے صدقہ ادا کروں تو کیا اسے اجر (ثواب) ملے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں ملے گا۔ (رواہ الستۃ الا مالکا عن عائشہؓ)

واقعہ تو یہ ہے کہ اگر مرنے والی کے صاحبزادے وہ صدقہ نہ بھی کرتے تو مرنے والی کو پھر بھی اجر ملتا کیونکہ اس کی نیت یا ارادہ موجود تھا۔ یہ حصول ثواب ہے ایصال ثواب نہیں۔

مولانا جعفر شاہ پھلواروی مزید لکھتے ہیں:

جہاں تک ہم غور کر سکے ہیں محفل ایصال ثواب کی رسم یوں قائم ہوئی ہوگی کہ احادیث میں آتا ہے کسی مرنے والے کا سوگ تین دن سے زیادہ نہ منایا جائے۔ صرف بیوہ کو سوگ عدت تک جاری رہے گا۔ اسی بنیاد پر نیک نیتی سے سوئم وغیرہ کی رسم قائم کی گئی۔ جس کی غرض یہ ہوگی کہ آج سے سوگ ختم کرنے کا اعلان ہو جائے اور لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو جائیں۔ اس موقع پر لوگ جمع ہونے لگے خصوصاً وہ لوگ جو دیر میں اطلاع وفات ملنے کے سبب سے یا دور دراز جگہوں میں رہنے کی وجہ سے تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہو سکے اب ظاہر ہے اس اجتماع کا مقصد تعزیت کر کے سوگ کو ختم کرنا ہے لیکن ایسے مواقع پر جہاں ہر قسم کے لوگ جمع ہوں گی بے موقع باتیں بھی ہو جاتی ہیں۔ کوئی گپ کر رہا ہے، کوئی ہنسی مذاق کر رہا ہے، کوئی قہقہے لگا رہا ہے۔ اس قسم کی باتیں تعزیتی مزاج کے مطابق نہیں ہوتی۔ اس کی اصلاح کے لیے بزرگوں نے یہ کیا کہ یونہی بیکار نہ بیٹھو بلکہ ذکر الٰہی کرتے رہو، قرآن پڑھو، جو پڑھے ہوئے نہیں ہیں وہ چنوں پر کلمہ یا درود وغیرہ پڑھیں۔ مطلب یہ ہے کہ بے موقع باتوں کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ جائے اور تعزیتی سنجیدگی باقی رہے۔ اس کے بعد مرنے والے کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اور محفل برخواست ہو گئی۔ اتنی بھر بات میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ یہ حکیمانہ انداز ہے کیونکہ دعائے مغفرت (یا کسی دوسری دعا) سے پہلے اگر چند مستحقین کو کھانا بھی کھلا دیا جائے یا کچھ ذکر الٰہی کرلیا جائے یا کوئی اور نیک کام کرلیا جائے تو قبولیت دعا کی توقع زیادہ ہو جاتی ہے۔ لیکن غالباً ہوا یہ ہوگا کہ کبھی کسی مرنے والے کے لئے یوں دعا کی ہوگی کہ اے اللہ! اسے بخش دے۔ بس رفتہ رفتہ یہ سمجھا گیا کہ جتنی تلاوت کی گئی یا کھانا کھلایا گیا ہے اس کی ثواب بخشا جا رہا ہے۔ اس طرح کا مفہوم ایصال ثواب بن گیا۔ کھانا کھلانا تو بے شک نیکی ہے لیکن کیا بے مقصد تلاوت کا بھی کوئی ثواب نیک ہوتا ہے؟ مجھے اس میں تامل ہے۔ (۷)

صحیح بخاری اور آغاز وحی کی روایت

مولانا جعفر شاہ پھلواروی صحیح بخاری کی آغاز وحی کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس پوری روایت وحی کو پڑھنے کے بعد یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ کو جبریل کے آنے، بار بار معانقہ کرنے اور کلام وحی القا کرنے کے باوجود اپنے مقام نبوت اور منصب رسالت کا کوئی علم نہ ہو سکا۔ اس منصب عالی کا علم یا یقین حضور ﷺ کو اس وقت ہوا جب انجیل کی ورق گردانی کرنے والے ورقہ نے حضور ﷺ کو بتایا۔

ہم نے جہاں تک غور کیا ہے بات یوں ہے کہ یہ صحیح بخاری کی روایت تو درست ہے لیکن اس خاص مقام پر سلسلہ اسناد کے کسی راوی نے اجمال سے کام لیا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس روایت کی یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ حضور ﷺ اس پہلی وحی کے بارِ عظیم کو محسوس کر کے کانپ گئے ہوں اور لرزاں و ترساں گھر واپس آئے ہوں (ترجف بوادرہ)، یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس ذمہ داری کے بوجھ کو بجا طور پر حضور ﷺ جان کی بازی لگانا تصور فرماتے ہوں (لقد خشیت علی نفسی) لیکن یہ ہمارے تصور میں نہیں آتا کہ اپنی صحیح پوزیشن کو حضور ﷺ نہ سمجھیں اور سمجھیں تو ایک نصرانی کے بتانے سے سمجھیں۔

ہماری دانست میں صحیح بخاری کی اس روایت میں یہ مقام اپنے اندر اجمال رکھتا ہے لہٰذا اگر اس کی تفصیل کسی دوسری روایت میں مل جائے اور وہ کھٹک کو دور کر دے تو اسے قبول کرنے میں کوئی تامل نہ کرنا چاہیے۔ وہ تفصیل کیا ہے، اسے سنئے:

محمد بن اسحاق بعبید بن عمرو کی زبانی جو روایت بیان کرتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

پہلی وحی (اقرأ) کے بعد جب حضور ﷺ گھر کی طرف چلے تو راستے میں آسمانی آواز سنی کہ یا محمد انت رسول اللہ وانا جبریل۔ ہر طرف دیکھ کر حضور ﷺ نے جب اوپر دیکھا تو جبریل نظر آئے اور انہوں پھر اپنے الفاظ دہرائے کہ: یا محمد انت رسول اللہ وانا جبریل۔ حضور ﷺ نے گھر آ کر یہ پورا واقعہ جناب خدیجہؓ سے بیان فرمایا، جناب خدیجہؓ نے کہا: انی لارجو ان تکون نبی ھذہ الامۃ۔ اس کے بعد جناب خدیجہؓ نے ورقہ کے پاس جا کر یہ سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اس کے بعد حضور ﷺ حسب معمول طواف کے لئے تشریف لے گئے اور وہیں ورقہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضور ﷺ سے تمام واقعات بیان کرنے کی خواہش کی۔ حضور ﷺ نے جب پورا واقعہ بیان فرمایا تو ورقہ نے بھی نبوت کی تصدیق کی۔ (۸)

مولانا پھلواروی اپنے اسی مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں:

یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھئے کہ جناب عائشہؓ اس وقت کے یہ حالات وحی بیان فرما رہی ہیں جب کہ وہ پیدا بھی نہ ہوئی تھی ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ واقعات کسی سے سنے ہی ہوں گے۔ لیکن اس کا کوئی حوالہ نہیں دیتی نعوذ باللہ یہ تو گمان ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ غلط بیانی کر رہی ہیں۔ محدثین کے اصول سے یہ روایت مرسل ہے مگر اسے قبول کرنا ہی پڑتا ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ایک بڑے حصہ روایات سے دست بردار ہونا پڑے گا، اور مراسیل صحابہ تو بالاتفاق مقبول ہیں۔ (۹)

نزول قرآن

نزول قرآن سے متعلق مولانا پھلواروی لکھتے ہیں:

ہماری رائے میں اگر یوں کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا (نزول قرآن) سمائے دنیا وغیرہ پر نہیں بلکہ قلب نبوی ﷺ پر پورا قرآن اسی موجودہ ترتیب سے یکبارگی اس مبارک شب میں اتار کر محفوظ کر لیا گیا اور اس کے مختلف اجزا کا اظہار یا نزول ثانی حسب ضرورت بحکم الٰہی تیئیس سال تک ہوتا رہا۔ (۱۰)

اپنی رائے کی دلیل میں مولانا پھلواروی یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ:

وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذلک. الخ (الفرقان: ۳۲)

درج بالا آیت میں لفظ کذلک کا معنی "ایسا اس لئے ہوا" کے بجائے "ایسا ہی تو ہوا" لیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید لکھتے ہیں:

غار حرا میں جو واقعات نزول پہلی بار ہوئے ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن یکبارگی ہی حضور ﷺ کے قلب اطہر میں اتار دیا گیا۔ اگر صرف پانچ آیتوں کا ہی نزول ہوتا تو نہ بار بار پر زور معانقہ کرنے کی ضرورت پیش آتی اور نہ حضور ﷺ کی گھبراہٹ کی یہ عالم ہوتا کہ دل کانپ رہا ہے، زندگی سے مایوس ہو رہے ہیں اور جناب خدیجہؓ سے کپڑا اڑھانے کی فرمائش کر رہے ہیں۔ بلاشبہ پہلی بار ایک غیر متوقع واقعے کا اثر بھی اس کیفیت میں دخیل تھا۔ لیکن تنہا آغاز وحی اور پانچ آیتوں کے نزول کا اتنا زیادہ اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ جس قرآن کے متعلق یہ ارشاد ہوا

لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللّٰہ.

وہ قرآن قلب انسانی پر نازل ہو تو اس کی کیفیت یہی ہونی چاہیے تھی جو حضور ﷺ کی ہوئی۔ جس قرآن کے تھوڑے حصہ کے اظہار کے وقت حضور ﷺ کے پسینے چھوٹنے لگتے ہوں (لیتفصد عرقا) اور شدید کرب (برحاء) محسوس ہونے لگتا ہو۔ اس کے پورے حصے کے نزول کے وقت حضور ﷺ کی جو کیفیت ہوئی ہوگی وہ محتاج بیان نہیں۔ صرف پانچ آیتوں کے لئے نہ جبریل کو اتنا زور لگانے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور نہ حضور ﷺ کو اس کی قرأت میں کوئی دقت ہو سکتی تھی۔ اقرأ باسم ربک الذی خلق سے مالم یعلم تک تو عرب کا ایک بچہ بھی سن کر دہرا سکتا تھا۔ حضور ﷺ کو اس کے ادا کرنے میں کیا دشواری ہو سکتی تھی جو بار بار معانقے کی ضرورت پیش آئے؟ دراصل پورے قرآن اور اس کے دیئے ہوئے نظام معاشری کا تصور ہی اتنا بڑا بوجھ تھا جو ایک بشر کی کمر توڑنے کیلئے کافی تھا۔ (الذی انقض ظھرک) اور اسی کی دہشت تھی جس نے حضور ﷺ کی یہ کیفیت کر رکھی تھی۔ لیکن اسی پورے قرآن اسی پورے قرآن نے حضور ﷺ کے اندر ثبات قلب بھی پیدا کر دیا تھا۔ ایک کلی حقیقت یا اس کے عظیم حصہ کے بے نقاب کرنے کے بعد خود بخود وہ ساری دہشت ثبات قلب سے بدل گئی۔ پہلے پہل ایک عظیم الشان کام کے بوجھ کے تصور سے لرز اٹھنا ایک قدرتی اور فطری تقاضا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ نبوت کے ظرف اور تائید غیبی نے فل کر ثبات قلب بھی پیدا کر دیا۔ غار حرا کے بعد پھر کبھی حضور ﷺ پر ایسی کیفیت نہ گزری حالانکہ لمبی لمبی سورتیں بھی نازل ہوتی رہیں۔ ہاں ہر تھوڑے حصے کے اظہار کے وقت بھی حضور ﷺ کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی۔ یہ فرق اسی لئے ہے کہ پہلے پورے قرآن کا نزول ہوا تھا اور بعد میں اس کے کچھ کچھ حصوں کی حسب ضرورت اظہار ہوتا رہا۔ (۱۱)

مولانا پھلواروی مزید لکھتے ہیں کہ قرآن لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور یہ اسی مہینے میں ہے جسے رمضان کہتے ہیں اور نزول صرف پانچ آیات کا نزول نہیں تھا، بلکہ پورے قرآن کا نزول تھا۔ اور اسی ترتیب تلاوت سے تھا جس ترتیب سے آج تک موجود ہے۔ البتہ مختلف آیات کا نزول ثانی اپنے اپنے موقع سے حسب ضرورت ہوتا رہا جسے ترتیب نزول کہتے ہیں۔ ان دونوں ترتیبوں میں قطعاً کوئی تناقض نہیں۔ (۱۲)

لیلۃ القدر

مولانا پھلواروی لیلۃ القدر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیات (سورہ قدر) میں شب قدر کی ساری فضیلتیں گنی ہوئی ہیں۔ ان کی تشریح سننے سے پہلے ایک ضروری بات سن لیجئے۔ آخری دو آیتوں کا ترجمہ عام طور پر یوں کیا جاتا ہے کہ اس رات میں فرشتے اور روح اس میں ہر کار خیر لے کر نازل ہوتے ہیں اور یہ رات طلوع فجر تک رہتی ہے۔ لیکن یہ ترجمہ محل نظر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شب کا یہاں ذکر ہے وہ ہر سال نہیں آتی۔ ایک ہی بار آئی تھی۔ قرآن ایک ہی بار سنہ ۱ نبوت میں نازل ہوا تھا۔ ہر سال نہیں نازل ہوتا۔ یہ تمام کیفیات اسی ایک شب سے متعلق ہیں جس میں قرآن نازل ہو رہا تھا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ رمضان کی جس شب قرآن نازل ہوا تھا وہ تاریخ یقیناً ہر سال آتی ہے لیکن وہ مخصوص شب قدر ہر سال نہیں آتی، یوں سمجھئے کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت ایک ہی بار ہوئی تھی۔ ہر سال نہیں ہوتی۔ لیکن وہ تاریخ ولادت بہر حال ہر سال ضرور آتی ہے اور آتی رہے گی۔

یہ ظاہر ہے کہ لیلۃ القدر وہی شب ہے جس میں قرآن نازل ہوا اور روایات میں دسویں، سترھویں یا چوبیسویں رمضان ہے، پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ۲۵ ویں اور ۲۷ ویں اور ۲۹ ویں رمضان شب قدر کہاں سے آگئی؟ اور اگر یہ تاریخیں بھی نزول قرآن میں شامل کر لی جائیں تو ایک بڑا اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے صاف صاف کیوں نہ بتا دیا کہ رمضان کی فلاں تاریخ کو شب قدر ہے؟ کیا یہ بات ذرا بھی یقین کے قابل ہو سکتی ہے کہ نزول قرآن یا آغاز وحی جیسا عظیم الشان واقعہ پیش آیا ہو اور حضور ﷺ کو اس کی تاریخ بھی یاد نہ رہی ہو؟ سیرت کی کتاب میں یہ واقعہ درج ہے کہ حضور ﷺ اسی روز غار حرا سے واپس آئے اور اسی دن حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ ایمان لے آئے۔ اگر حضور ﷺ کو نزول قرآن کی تاریخ یاد نہ ہوتی تو ان حضرات میں سے کسی کو وہ تاریخ یاد نہ ہونے کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

یہ بات بھی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت کو ایک ایسے مبہم سے چکر میں ڈال دیں جس کی آج تک کوئی وضاحت نہ ہو سکی۔ ان تیرہ صدیوں کی مدت میں ایک شخص بھی ایسا نظر میں نہیں آیا جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ مجھے شب قدر مل گئی۔

قرآن کی بیان کردہ حقیقی شب قدر تو ایک ہی بار آئی۔ اس کے بعد ہر سال وہ نہیں آتی، صرف اس کی تاریخ ہو آتی ہے جو آج تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکی کیونکہ نہ وہ بتائی گئی اور نہ اسے بتانے کی کوئی ضرورت ہی تھی۔ جو بات بتانے کی تھی وہ بتا دی گئی اور وہ صرف اس قدر ہے کہ شب قدر رمضان میں ہے کیونکہ اسی مہینے کی کسی شب کو قرآن نازل ہوا تھا۔ اب امت کا تعلق قرآن سے ہے نہ کہ اس کی تاریخ نزول سے۔ ہاں اگر کوئی انسان بھی اس شب قدر سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ تاریخ نزول کی جستجو سے حاصل نہ ہوگا بلکہ قرآن کو اپنی روح میں جذب کرنے سے حاصل ہوگا اور جس وقت وہ ایک عظیم صمیم کے ساتھ اسے اپنانے کا عہد کرے گا وہ وقت اس کے لئے ہزاروں راتوں سے بہتر ہوگا، کیونکہ نزول قرآن کا مقصد اسی طرح پورا ہو سکتا ہے۔ (۱۳)

ناسخ منسوخ

مولانا پھلواروی وراثت اور وصیت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لگے ہاتھوں اس سلسلہ کی ایک کڑی اور بھی ذہن نشین کر لیجئے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قانون وراثت نازل ہونے کے بعد وصیت کی ضرورت نہیں رہی اس لئے کہ جب ورثہ کے حصے مقرر کر دیے گئے تو وہی حقدار ہوئے۔ لہٰذا وصیت کے احکام

© rasailojaraid.com

منسوخ الحکم ہو گئے۔

زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان آیات کی تلاوت کر کے ثواب دارین حاصل کرتے رہیے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اول تو منسوخ و نسوخ کی تھیوری ہی مطابق قرآن نہیں، ثانیاً کتب علیکم کا لفظ فرضیت کے لئے ہوتا ہے۔(۱۴)

ایک اور مقام پر مولانا پھلواری آیت رجم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اس رجم کی تائید کے لئے یہ کہنا کہ قرآن کی ایک آیت ہے جو منسوخ التلاوۃ تو ہو گئی مگر منسوخ الحکم نہیں ہوئی، بالکل لغو اور بے معنی سی بات ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ اس سے قرآن پاک کی محفوظیت کا دعویٰ بے معنی ہو جاتا ہے۔(۱۵)

حوالہ جات

۱) مفتی جعفر حسین، تعارف و تبصرہ جعفر شاہ پھلواروی، مجمع البحرین، ادارہ ثقافت اسلامیہ طبع دوم ۲۰۰۱، ص ۱۱

۲) قاری عبدالکریم، عرض ناشر محمد جعفر شاہ پھلواروی، قرآنی قانون طلاق، دار التذکیر لاہور، ۲۰۰۸، ص ۴

۳) جعفر شاہ پھلواروی، اسلام اور موسیقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع دوم جون ۱۹۸۷، ص ۱۱۲

۴) ایضاً، ص: ۲۱ تا ۲۵

۵) جعفر شاہ پھلواروی، اجتہادی مسائل، ادارہ ثقافت اسلامیہ، طبع چہارم جون ۱۹۹۹، ص ۲۶۱، ۲۶۲

۶) جعفر شاہ پھلواروی، قرآنی قانون طلاق، دار التذکیر لاہور طبع ۲۰۰۸، ص ۲۳ تا ۲۶

۷) جعفر شاہ پھلواروی، اجتہادی مسائل، ص ۱۱۰ تا ۱۴۲

۸) جعفر شاہ پھلواروی، اجتہادی مسائل، ۷۱ تا ۷۶

۹) ایضاً ص ۸۷، ۸۸

۱۰) جعفر شاہ پھلواروی، اجتہادی مسائل، ص ۹۰

۱۱) ایضاً ص ۹۳

۱۲) ایضاً ص ۹۲ تا ۹۳

۱۳) ایضاً ص ۹۷

۱۴) جعفر شاہ پھلواروی، اجتہادی مسائل، ص ۴۲۳ تا ۴۲۸

۱۵) غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۴۱۱

© rasailojaraid.com